پروفیسر خالد شبیر احمد　　　　قسط:۳۱

ورق ورق زندگی

ان حضرات نے جن کا ابھی تذکرہ ہوا، مجھے جو کچھ عطا کیا وہ میں ضبط تحریر میں نہیں لاسکتا نہ اُسے بیان کرنے پر مجھے دسترس حاصل ہے۔ میں تو محض ہاکی کھیلتے کھیلتے لیکچرار بن گیا علم و ادب سے میرا دامن خالی تھا۔ انھی صاحبانِ علم حضرات کی صحبت سے مجھ میں یہ حوصلہ ہوا کہ آج میں نظم ونثر میں اپنے خیالات ومحسوسات کو بیان کرنے کی جسارت کرسکتا ہوں۔ اس احسان پر میں ان تمام حضرات کا تہہِ دل سے ممنون ہوں۔ بلکہ کبھی کبھی تو میں خود حیران ہوتا ہوں کہ ان اہلِ علم حضرات اور میرے درمیان آخر کیا قدرِ مشترک تھی جس نے ہمیں یک جان دو قالب کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ میں نے یہی سوال جابر علی سید سے کیا تو کہنے لگے ''کل سوچ کر جواب دوں گا''۔ یہ اُن کا مخصوص انداز تھا۔ میں نے کہا اس میں سوچنے کی ایسی کیا بات ہے کہ آپ ایک دن بعد کا وقت دے رہے ہیں؟ کہنے لگے ''یہ ایک مشکل سوال ہے اس لیے اس کا جواب کل ہی دوں گا''۔ دوسرے دن میں نے پھر دریافت کیا تو فرمانے لگے ''رات میں تمھارے سوال پر غور کرتا رہا کہ تم ہمارے اتنے کیوں قریب ہوگئے، تو میری رائے میں تمھاری وضع داری اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس پر میں نے اُن کا بھی اور اپنی وضع داری کا بھی شکریہ ادا کیا۔ جس کی وجہ سے ذرۂ ناچیز اتنی اہم شخصیتوں سے فیض یاب ہونے کے قابل ہوا۔

بعد میں ہمارے درمیان جنابِ خیال امروہوی بھی آن ملے وہ بھی اپنی قسم کی منفرد شخصیت تھے۔ نظم کہنے میں اُنھیں خاصا ملکہ حاصل تھا۔ غزل بھی کہتے تھے مگر وہ بات نہ تھی جو نظموں میں تھی۔ مگر وہ غزلوں میں بھی اُسی نوعیت کی داد کے طالب رہا کرتے۔ ظاہر ہے اس میں انھیں اکثر مایوسی ہوتی۔ ایک بار عبدالخالق عزمی سے باقاعدہ الجھ پڑے کہ وہ غزل کے اشعار پر حسبِ توقع داد نہیں دے رہے تھے۔ ایک دفعہ کالج کی تقریب میں انھوں نے ایک غزل پڑھی۔ جس کا شعر تھا

اب کے اس طور چلو جذبۂ بیدار کے ساتھ
راستے کانپ اُٹھیں گرمیٔ رفتار کے ساتھ

پروفیسر نظام خان، جن کی خوش کلامی اور مطائبات گوئی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے، ''دیکھو خالد شبیر! میں شعراء کے اسی لیے خلاف ہوں، یہ شخص جو ایسے ایسے شعر پڑھ رہا ہے، یہ بے چارہ اُٹھ کر گھڑے سے پانی نہیں پی سکتا اور ہمیں کیا پیغام دے رہا ہے۔ کل رات یہ میرے گھر آیا اور مجھے ایک طویل نظم سنائی۔ جس کا عنوان ''غیرت'' تھا اور جانے سے پہلے مجھ سے دس روپے اُدھار لے کر گیا''۔ یہ کہانی تو شاید اُن کے اپنے دماغ کی تخلیق تھی لیکن ایسی باتوں سے وہ مجلس کی شمعِ کلام اپنے سامنے ہی دھرائے رکھتے تھے۔ انھی دنوں مولانا سید عطاء المحسن بخاری مرحوم ومغفور کی شادی ہوئی، ولیمہ میں ہم سب دوست مدعو تھے۔ ہم نے خیال امروہوی سے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ